OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 7, Issue 4 (October-December 2024)

اسلام میں سزاؤں کا تصور: جدید اور روایتی تفسیری لٹریچر کا تجزیاتی مطالعہ

The Concept of Punishments in Islam: An Analytical Study of Modern and Traditional Interpretive Literature

Abdullah Shahid

Lecturer, Department of Islamic Studies, Superior College, Gujrat

(binshahid18@gmail.com)

Mahmood Ahmad Noori

Assistant Punjab Revenue Authority, Lahore

(noorig786@gmail.com)

Supervisor: **Prof. Dr. Muhammad Shahbaz Manj – Chairman Department of Islamic Studies, University of Education, Lower Mall Campus, Lahore (shahbaz.manj@ue.edu.pk)**

Abstract

This article examines the concept of "*Islamic Punishments*" by analyzing both "*Traditional and Modern Interpretive Literature*". It explores two primary schools of thought: the traditional school, based on classical interpretations of the "Quran and Sunnah", and the modern school, which incorporates progressive views and human rights considerations. The traditional exegetical literature, including works like *Ma'ariful Quran* by *Mufti Muhammad Shafi Usmani* and *Tafheem-ul-Quran* by *Maulana Syed Maududi,* emphasizes the connection between punishments, social order, and divine will, advocating that punishments are necessary not only for individual reform but also for fulfilling Allah's rights and maintaining societal

CC BY

discipline. In contrast, modern exegetical works, such as *Matalib-ul-Furqan* by *Ghulam Ahmed Pervez, Tafseer-ul-Quran* by *Sir Syed Ahmad Khan, Al-Bayan* by *Javed Ahmad Ghamidi,* and *Tadabbur-e-Quran* by *Ameen Ahsan Islahi,* present a more flexible approach, asserting that punishments should be adapted to contemporary circumstances and focused on human welfare, individual rights, and social justice. This paper aims to provide a comparative analysis of these perspectives, shedding light on the evolving interpretations of Islamic punishments in the context of changing social and legal norms. The importance of this study lies in its contribution to the ongoing discourse on the relevance of Islamic legal principles in modern society, offering insights into how these traditional concepts can be understood and applied in the contemporary world.

تمہید

اسلام میں سزاؤں کا تصور ایک اہم اور پیچیدہ موضوع ہے جس پر مختلف ادوار میں گہری بحثیں کی گئی ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جہاں انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ہدایات دی گئی ہیں، وہاں معاشرتی عدل و انصاف کے قیام کے لیے سزاؤں کی اہمیت بھی اجاگر کی گئی ہے۔ اسلامی سزاؤں کا مقصد صرف جرائم کی سزا دینا نہیں بلکہ ایک معاشرے میں نظم و ضبط، اخلاقی تربیت، اور فرد کی اصلاح بھی ہے۔ یہ مختصر مقالہ "اسلام میں سزاؤں کا تصور: جدید اور روایتی تفسیری لٹریچر کا تجزیاتی مطالعہ" اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ مختلف دینی و فکری مکاتبِ فکر نے اس موضوع پر کس طرح اپنے خیالات اور تفسیریں پیش کی ہیں۔ اس مطالعے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوتی ہے کیونکہ جدید دور میں جہاں مغربی فلاحی نظام کی سزاؤں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، وہیں اسلامی سزاؤں کے فلسفے اور ان کی اصل روح کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اس مضمون کی ساخت تین حصوں پر مبنی ہو گی: پہلا حصہ ”منتخب جدید اور روایتی تفسیری ادب اور ان کے مصنفین“ کے مختصر تعارف پہ مبنی ہو گا۔ دوسرے حصے میں ہم منتخب روایتی تفسیری ادب کا تجزیہ کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ روایتی علمانے سزاؤں کے تصور کو کس طرح بیان کیا ہے۔ اس میں ہم اس بات پر توجہ دیں گے کہ روایتی تفسیری ادب میں سزاؤں کے فلسفے کو کس طرح سمجھا گیا اور اس میں کون سی اصولی بنیادیں رکھی گئی ہیں۔ تیسرے اور آخری حصے میں ہم اس بات پر غور کریں گے کہ منتخب شدہ جدید تفسیری ادب اس موضوع پر کس نوعیت کی تشریحات پیش کرتا نظر آتا ہے نیز اس موضوع پر جدید علمائے کرام کا نقطہ نظر کیا ہے۔

دو مختلف مکاتب فکر

اسلامی سزاؤں کے تصور پر غور کرتے ہوئے دو اہم مکاتبِ فکر کی تفسیری آراء کو سمجھنا ضروری ہے: ایک روایتی مکتبہ فکر اور

دوسرا جدید۔ روایتی تفسیری ادب وہ ہے جو قرآن و سنت کی تعبیر میں قدیم علما کے اصولوں اور فقہی تصورات پر مبنی ہے۔ اس میں مفسرین نے اسلامی فقہ، حدیث اور اجماع کے ذریعے سزاؤں کے فلسفے کو واضح کیا ہے۔ انہوں نے سزاؤں کی تشریحات کو اسلامی معاشرتی ڈھانچے اور عدالتی نظام سے جوڑا ہے۔ ان کے مطابق سزائیں صرف فرد کی اصلاح اور معاشرتی نظم و ضبط کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا اور حقوق کی ادائیگی کے لیے ضروری ہیں۔ دوسری جانب، جدید تفسیری ادب نے سزاؤں کی نوعیت اور ان کے نفاذ میں ترقی پسندیت اور انسانی حقوق کے تقاضوں کو مد نظر رکھا ہے۔ جدید دور کے مفسرین سزاؤں کی تشریحات میں زیادہ لچک دکھاتے ہیں اور ان کو ایک ایسا عمل سمجھتے ہیں جو وقت اور حالات کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ ان کے مطابق اسلام میں سزائیں فرد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہیں، اور ان سزاؤں کو غیر معقول یا ظالمانہ طریقے سے نافذ کرنے کے بجائے انسانوں کی فلاح و بہبود کے پیش نظر کیا جانا چاہیے۔ جیسا کہ تمہیدی کلمات میں عرض کیا گیا تھا کہ مضمون کے پہلے حصے میں منتخب شدہ مفسرین اور ان کی تفاسیر کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔ چناں چہ اس غرض سے جن روایتی تفاسیر کا انتخاب کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

أ. معارف القرآن از مفتی محمد شفیع عثمانی

ب. تفہیم القرآن از مولانا سید مودودی

اور جن جدید تفاسیر کا انتخاب کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

أ. مطالب الفرقان از غلام احمد پرویز

ب. تفسیر القرآن از سرسید احمد خان

ج. البیان از جاوید احمد غامدی

د. تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی

منتخب روایتی تفاسیر اور ان کے مصنفین کا تعارف

موضوع کی نسبت سے منتخب شدہ جدید تفاسیر اور ان کے مصنفین کا مختصر تعارف پیش نظر ہے:

أ. معارف القرآن از مفتی محمد شفیع عثمانیؒ

مفتی محمد شفیع عثمانی پاکستان کے معروف فقیہ، مفسر اور محدث تھے۔ آپ کی سب سے مشہور تصنیف "تفسیر معارف القرآن" ہے۔ آپ نے اسلامی فقہ اور تفسیر کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں۔ مفتی شفیع عثمانی کو "مفتی اعظم پاکستان" کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپ کی علمی خدمات آج بھی مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع عثمانی کی اردو تفسیر قرآن ہے۔ یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ایک جامع تفسیر ہے۔ اس میں مفتی صاحب نے اپنے طور پر کوئی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ہی اختیار کیا ہے۔ تفسیر میں انہوں نے سب سے پہلے لغت کے مسائل پر توجہ دی ہے، پھر خلاصۂ تفسیر کے تحت مختصراً قرآن کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ مفتی صاحب کے پیش نظر یہ تھا کہ عوام جو علمی اصلاحات سے واقف اور دقیق مضامین کے متحمل نہیں ہیں وہ بھی قرآن کریم کی تعلیمات کو سمجھ سکیں، اس تفسیر میں سلف صالحین کی تفسیروں پر اعتماد کیا گیا ہے اور بے سند باتوں سے احتراز کیا گیا ہے۔ چناں چہ جگہ بہ جگہ صحابہ و تابعین کے تفسیری اقوال اور متقدمین کی تفسیری کتب

سے استفادہ کر کے ان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ لطائف و معارف کے ضمن میں متاخرین میں سے مستند مفسرین کے مضامین بھی لیے گئے ہیں، ترجمہ کے بعد مکمل تفسیر و تشریح سے پہلے خلاصہ تفسیر لکھ دیا گیا ہے جو مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن سے ماخوذ ہے، اسے آیات پر مختصر نوٹ کہا جا سکتا ہے۔ آخر میں آیات مندرجہ سے متعلق احکام و مسائل لکھے گئے ہیں، اس میں اس کا التزام کیا گیا ہے کہ صرف وہ احکام و مسائل لیے جائیں جو کسی نہ کسی طرح الفاظ قرآن کے تحت آتے ہوں، احکام و مسائل کا بڑا حصہ تفسیر قرطبی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن لابن العربی، تفسیرات احمدیہ، تفسیر محیط، روح المعانی، روح البیان اور بیان القرآن وغیرہ سے لیا گیا ہے، جن کے حوالہ جات بھی مذکور ہیں، تاہم نئے عہد کے بعض نئے مسائل کا بھی ذکر ہے، قرآن وحدیث اور مجتہدین کرام کے اُصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور جس طرح مسائل واحکام میں متقدمین نے اپنے اپنے عہد کے فرقوں اور اس زمانہ کے مسائل کو اہمیت دی ہے۔

ب. تفہیم القرآن از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

سید ابو الاعلیٰ مودودی مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ بیسوی صدی کے موثر ترین اسلامی مفکرین میں سے ایک تھے۔ ان کی فکر، سوچ اور ان کی تصانیف نے پوری دنیا کی اسلامی تحریکات کے ارتقا میں گہرا اثر ڈالا اور بیسویں صدی کے مجدد اسلام ثابت ہوئے۔

تفہیم القرآن مولانا مودودی صاحب کے قلمی شاہکاروں میں سے ایک ہے۔ یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولانا نے تفہیم القرآن میں جس انداز کو اپنایا اس نے لاکھوں دلوں کو متاثر کیا خصوصاً نوجوان طبقے میں قرآن فہمی اور اس پر عمل کرنے کا احساس تیزی سے ابھرا۔ تفہیم القرآن کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے فقہی مسائل کو اس توازن، اعتدال اور وسیع البنیاد رنگ میں حل کیا ہے کہ امت میں اتحاد کی خوشبو قائم رہے۔ تفہیم القرآن میں تقابل ادیان کا موضوع خصوصی شان کا حامل ہے۔ اس ضمن میں مولانا مودودی صاحب نے اسرائیلی خرافات سے آلودہ روایات سے دینی لٹریچر، خصوصاً تفسیری ادب کو پاک کرنے کا کارنامہ انجام دینے والوں میں اہم مقام پایا ہے۔ تفہیم القرآن میں قدیم اور جدید کا توازن برقرار رکھا گیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب نہ تو جدیدیت کا رنگ اختیار کر کے مغرب زدہ معذرت خواہی کی راہ پر چلے اور نہ قدامت سے چمٹ کر عصرِ حاضر سے بے خبر رہے۔ اس نازک سفر میں انہوں نے قرآن و سنت کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور جدید عہد کے سوالوں کا مدلل اور شافی جواب دیا۔

منتخب جدید تفاسیر اور ان کے مصنفین کا تعارف

موضوع کی نسبت سے منتخب کردہ جدید تفاسیر اور ان کے مصنفین کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

أ. مطالب الفرقان از غلام احمد پرویز

غلام احمد پرویز صاحب، اہل القرآن کے نزدیک مشہور عالم دین اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک زندیق منکر حدیث تھے۔ غلام احمد پرویز ایک معروف مفسر، مفکر اور تحریکِ اصلاحات کے رہنما تھے جنہوں نے قرآن کو ایک علمی اور عقل پر مبنی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی اور اسلام کی تفسیری اور فقہی روایات کو جدید علمی تناظر میں پیش کیا۔ مطالب الفرقان، غلام احمد پرویز صاحب کے قلم سے قرآن کریم کی ایک نامکمل تفسیر ہے یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ تفسیر "مطالب الفرقان" غلام

احمد پرویز کی ایک اہم علمی کاوش ہے، جس میں انہوں نے قرآن مجید کی تفسیریں جدید علمی اور عقلی نقطہ نظر سے پیش کی ہیں۔ "مطالب الفرقان" میں پرویز صاحب نے نہ صرف روایتی تفسیروں کو چیلنج کیا بلکہ ان آیات کی تشریح میں جدید سائنسی، فنی اور فلسفیانہ اصولوں کو بھی شامل کیا۔ ان کی تفسیر میں قرآن کے پیغامات کو عقل پسندانہ نقطہ نظر سے بیان کیا گیا ہے۔ اس تفسیر کے مصنف قرآن کے ایک مقام کی تفسیر دوسرے مقام سے کرتے ہیں لیکن اگر ان کی تفسیر کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک مقام اور دوسرے مقام کے درمیان جو خلا رہ جاتا ہے اسے پر کرنے کے لیے وہ اپنے ذہن و اجتہاد سے کام لیتے ہیں یعنی ربط مضامین اور استنباط نتائج میں یہ لوگ قرآنی آیات کو اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق چلاتے ہیں اور چونکہ ان کی سمجھ اور فہم تغیر پذیر ہے اس لیے مرور ایام کے ساتھ قرآنی مفاہیم و مطالب اور اس کی تشریح و تفسیر بھی بدلتی رہتی ہے۔ تاہم، اس تفسیر پر مختلف علمی حلقوں میں تنقید بھی کی گئی ہے، کیونکہ پرویز صاحب کی بعض آراء اور تفسیری انداز روایتی تفسیروں سے مختلف تھے، جس نے ان کے کام کو متنازعہ بنا دیا۔ اسے جدید تفسیری ادب میں ایک سنگ میل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

ب. تفسیر القرآن از سر سید احمد خان

سر سید احمد خان برطانوی راج کے دوران ہندوستان کے ایک عظیم مفکر، مصلح، اور تعلیم دان تھے جنہوں نے مسلمانوں کی فلاح اور ترقی کے لیے بے شمار علمی اور سماجی خدمات انجام دیں۔ سر سید احمد خان کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی تعلیمی اصلاحات تھیں، تاہم، ان کا علمی کام صرف تعلیمی میدان تک محدود نہیں تھا، بلکہ انہوں نے اسلامی علوم میں بھی گہرائی سے کام کیا، خاص طور پر قرآن مجید کی تفسیر میں۔

سر سید احمد خان کی تفسیر "تفسیر القرآن" کے نام سے معروف ہے، جس کا شمار جدید تفاسیر میں ہوتا ہے۔ یہ تفسیر سر سید کے دور میں ہونے والی جدید سائنسی ترقیات اور مغربی علوم کے اثرات کے پس منظر میں لکھی گئی تھی۔ سر سید احمد خان نے قرآن کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے ان کے معنوں کو جدید سائنسی، فلسفیانہ اور عقلی زاویے سے بیان کیا۔ ان کا مقصد قرآن کی تعلیمات کو عقل و فہم کی بنیاد پر سمجھنا تھا، تاکہ مسلمان اس کے پیغامات کو موجودہ دور کے تقاضوں اور سائنسی اصولوں کے مطابق سمجھ سکیں۔ سر سید کا یہ موقف تھا کہ قرآن کا پیغام ابدی ہے، لیکن اس کی تشریح کو نئے دور کے سائنسی اور فکری ترقیات سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات میں جدید دنیا کے مسائل کا حل مل سکے۔ سر سید احمد خان کی یہ تفسیر روایتی تفسیروں سے مختلف تھی اور بعض اوقات اس پر تنقید بھی کی گئی۔

ج. البیان از جاوید احمد غامدی

جاوید احمد غامدی صاحب پاکستان کے معروف اسلامی مفکر، مفسر قرآن اور ماہر علمِ دینیات ہیں جنہوں نے اپنے علم و فہم سے اسلامی تعلیمات کی تشریح اور ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے قلم سے لکھا ہوا ترجمہ اور تفسیر "البیان" قرآن مجید کی ایک جدید، علمی اور عمیق تشریح ہے۔ غامدی صاحب کی تفسیر "البیان" میں جاوید احمد غامدی صاحب نے قرآن کے مفاہیم کو جدید سائنسی، فلسفیانہ اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق نئے انداز میں بیان کیا، اور بعض روایتی تفسیروں کو چیلنج بھی کیا۔ انہوں نے قرآن کی تفسیر میں عقل و فہم کی اہمیت پر زور دیا ہے، اور یہ موقف اپنایا ہے کہ قرآن کی آیات کی صحیح تشریح کے لیے عقل اور فطرت کے اصولوں کو مدنظر رکھا جانا چاہیے۔ اس تفسیر میں آپ نے تفصیل سے دین کے بنیادی اصولوں، عبادات، اخلاقیات،

اور معاشرتی نظام کو قرآن کی روشنی میں بیان کیا ہے، اور اسلامی قانون و فقہ کے مختلف مسائل کو سادہ اور بامعنی طریقے سے سمجھایا ہے۔ جاوید احمد غامدی کی یہ تفسیر نہ صرف علمی حلقوں میں بلکہ عوامی سطح پر بھی بہت پسند کی گئی ہے، کیونکہ اس میں قرآن کی روحانیت اور اخلاقی پیغامات کو جدید سائنسی اور معاشرتی مسائل کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

د. تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مدرسہ فراہی کے ایک جلیل القدر عالم دین، مفسر قرآن اور ممتاز ریسرچ سکالر تھے آپ امام حمید الدین فراہی کے آخری عمر کے تلمیذ خاص اور ان کے افکار و نظریات کے ارتقا کی پہلی کرن ثابت ہوئے۔ تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کی اردو تفسیر قرآن ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں اپنے استاذ کی فکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تدبر قرآن میں مصنف نے وہ قرآنی فکر و فلسفہ پیش کیا ہے جو اس عہد کے چیلنج کا جواب ہے خاص طور پر نظم قرآن اور ارتباط قرآن پر زیادہ زور دیا ہے۔ چوں کہ بعض مستشرقین کا اشکال ہے کہ قرآن کے اندر نظم نہیں ہے، کئی مفسرین نے اس جواب کا بیڑا اٹھایا، ان میں یہ تفسیر بھی شامل ہے ابتدا میں یہ آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی اور اب یہ نو جلدوں میں چھپ رہی ہے۔ صاحب ''تدبر قرآن'' مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر کی بنیاد مروجہ تفسیری اصولوں پر نہیں رکھی۔ ان کے نزدیک تفسیری وسائل دو طرح کے ہیں: داخلی اور خارجی۔ داخلی وسائل میں قرآن کی زبان، اس کا نظم نمایاں ہیں جبکہ خارجی وسائل میں روایات، آثار اور تاریخ وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی حدود و تعزیرات کا تصور: روایتی مفسرین کی نظر میں

روایتی مفسرین کے ہاں جرائم کی سزائیں تین قسم کی قرار دی گئی ہیں

أ. حدود

ب. قصاص

ج. تعزیرات

ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لیناضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔ لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے اور احکام میں مدار کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔ دوسری بات یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے خاص خاص جرائم کے علاوہ باقی جرائم کی سزاؤں کے لیے کوئی پیمانہ متعین نہیں کیا بلکہ قاضی کے اختیار میں دیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان اور ہر ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا انسداد جرم کے لیے ضروری سمجھے وہ جاری کردے یہ بھی جائز ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کی اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگائے اور جرائم کی سزاؤں کا کوئی خاص پیمانہ دے کر اس کا پابند کردے جیسے کہ قرون متاخرہ میں ایسا ہوتا رہا ہے اور اس وقت تمام ممالک میں تقریبا یہی صورت رائج ہے۔ اب سمجھیے کہ جن جرائم کی کوئی سزا قرآن و سنت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صواب دید پر رکھا ہے ان سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے حدود و قصاص کا بیان پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ خود کر دیا ہے باقی تعزیری جرائم کی تفصیلات کا بیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حکام وقت کے صواب دید پر چھوڑ دیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو تعزیر کہتے ہیں۔ سزا کے ان تین قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں جو لوگ اپنے عرف عام کی بنا پر ہر جرم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آتے ہیں۔ تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں۔ ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم اور امیر کو ادنی تغیر و تبدل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے اور نہ زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ کسی امیر و حاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے ۔شریعت اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں: ڈاکہ، چوری، زنا، تہمت زنا اور شراب خوری پہلی چار قسموں کی سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں۔ جب کہ شراب خوری کی حد اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ اس طرح کل پانچ جرائم کی سزائیں معین ہو گئیں جن کو حدود کہا جاتا ہے۔ بعض فقہاء نے ارتداد کی سزا کو ملا کر حدود کی تعداد چھ بیان کی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان حدود کی بابت ہماری منتخب کردہ روایتی تفاسیر کا بیانیہ کیا ہے؟ اس کے لیے فرداً فرداً ایک حد اور پھر اس کے بعد تعزیرات کا بیان ہو گا۔

ڈکیتی

ڈاکہ ایک سنگین جرم ہے جس میں کسی شخص یا گروہ نے طاقت، دھوکے یا جبر کے ذریعے لوگوں سے ان کا مال یا جائیداد چھین لی ہو۔ اسلامی فقہ کے مطابق ڈاکہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص یا گروہ لوگوں پر حملہ کر کے، یا ان کی رضا کے بغیر ان کا مال چھین لے۔ ڈاکہ نہ صرف مال کے چھینے جانے کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس میں افراد کی جان یا عزت کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اسلامی قانون میں ڈاکے کو "فساد فی الارض" یعنی "زمین میں فساد پھیلانے" کے مترادف سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے معاشرتی امن و سکون میں خلل پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿[1] ترجمہ: ان کی بھی یہی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں یہ کہ انہیں قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں، یہ ذلت ان کے لیے دنیا میں ہے، اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع عثمانی اس آیت کی وضاحت میں تفسیر مظہری کا حوالہ دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

> ”یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا مطلب کیا ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں چنانچہ لفظ محاربہ، حرب سے ماخوذ ہے ۔اور اس کے اصلی معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ سلم کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ حرب کا

مفہوم بد منی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اکا دکا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت جب ہی ہوتی ہے جب کہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر اتر آئے۔ اسی لیے فقہائے کرام نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے۔"[2]

یہاں یہ بات یاد رہے کہ عام انفرادی جرائم کرنے والے چور وغیرہ اس میں داخل نہیں دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ اور رسول ہی کے مقابلے میں کہا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے ان ڈاکو اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور قانون نے حکومت کو اعلانیہ توڑنے کی کوشش کریں۔

ڈکیتی کی سزا میں فقہا کے دو مسالک کا بیان

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں ڈکیتی کی سزا چار قسموں پہ مشتمل ہے:

أ. انہیں قتل کر دیا جائے۔

ب. سولی چڑھا دیا جائے۔

ج. دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

د. جلاوطن کر دیا جائے۔

ان چاروں سزاوں کے انطباق کے حوالے سے فقہائے کرام کی جماعت دو مختلف حصوں میں بٹی نظر آتی ہے۔ چنانچہ پہلا گروہ جن میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، عطاؒ، حسن بصریؒ، علامہ ضحاکؒ، امام مجاہدؒ اور ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت مذکورہ میں حرف او کو تخییر کے لیے وضع کیا گیا ہے چنانچہ ان چار سزاؤں میں سے امام اور امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و خفت پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کر دے۔ اس کے برعکس امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ایک جماعت صحابہ و تابعین نے حرف او کو اس جگہ تقسیم کار کے معنی میں لے کر آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ رہزن اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں۔ اس کی تائید میں مفتی صاحب ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ:

"جس میں روایت ابن عباس منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا مگر اس نے عہد شکنی کی اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آرہے تھے ان پر ڈاکہ ڈالا اس واقعہ میں جبرائیل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے اور جس نہ کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں اور جو

ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے اور جس نے قتل و غارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مختل ہو گیا اس کو جلاوطن کیا جائے۔"[3]

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعت فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لیے ایسے مجرم کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔ اس آیت کے آخر میں ایک استثنا بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکو اور باغی اگر حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے جب کہ ان کی قوت اور طاقت بحال ہے اس حالت میں اگر توبہ کر کے رہزنی سے باز آجائیں تو ڈاکہ کی یہ حد شرعی ان سے ساقط ہو جائے گی یہ استثنا عام قانون حدود سے مختلف ہے۔ ڈکیتی کی سزا بیان کرتے ہوئے تفہیم القران میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

> "زمین سے مراد یہاں وہ ملک یا وہ علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کے ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہو ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی کوشش کرنا قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور رہزنی و ڈکیتی کی حد تک ہو یا بڑے پیمانے پر اس صالح نظام کو الٹنے اور اس کی جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لیے دراصل وہ خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ ہے۔ اس کو وہ ایک مثال سے سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسا تعزیرات ہند میں ہر اس شخص کو جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے بادشاہ کے خلاف لڑائی Waging War Against the King کا مجرم قرار دیا گیا۔ چاہے اس کی کاروائی ملک کے کسی دور دراز گوشے میں ایک معمولی سپاہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور بادشاہ اس کی دسترس سے کتنا ہی دور ہو۔"[4]

مولانا مودودیؒ بھی ڈکیتی کی سزا کے باب میں امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق او کو تخییر کے معنیٰ میں مانتے ہوئے کہتے کہ یہ مختلف سزائیں بر سبیل اجمال بیان کر دی گئی ہیں تاکہ قاضی یا امام وقت اپنے اجتہاد سے ہر مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کسی شخص کا اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کو الٹنے کی کوشش کرنا بدترین جرم ہے اور اسے انتہائی سزاؤں میں سے کوئی سزا ہے دی جا سکتی ہیں۔

سرقہ

سرقہ کی سزا کے بیان سے قبل ضروری ہے کہ سرقہ کی تعریف کر دی جائے۔ اصطلاح شرع میں سرقہ کی تعریف ہے کہ: "کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے اس کو سرقہ کہتے ہیں۔" اس تعریف کی رو سے سرقہ ثابت ہونے کے لیے چند چیزیں ضروری ہوئیں:

اَ. ملکیت ہونا، یعنی چوری شدہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، اس میں چرانے والے کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی اس میں اس کی

ملکیت کا شبہ ہو، اور نہ ہی چوری شدہ مال ایسی چیزوں پر مشتمل ہو جن میں عوام کے مساوی حقوق ہوں جیسے رفاہِ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء۔

چناں چہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہو، یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہوں، تو اس پر حدِ سرقہ جاری نہیں کی جائے گی، البتہ حاکم اپنی صوابدید سے تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

ب. مال کا محفوظ ہونا، یعنی چوری شدہ مال کا مقفل مکان یا کسی نگران چوکیدار وغیرہ کے ذریعہ محفوظ ہونا۔ اگر مال کسی جگہ محفوظ نہ ہو اور کوئی شخص اس کو اٹھالے، تو اس پر حدِ سرقہ جاری نہیں ہوگی۔ مثلاً مسجد، عید گاہ، پارک، اسٹیشن، ریل، جہاز وغیرہ عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال یا درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اگر کوئی چرا لے تو حدِ سرقہ جاری نہیں ہوگی، اسی طرح اگر مال کے محفوظ ہونے میں شبہ ہو جائے تب بھی حد جاری نہیں ہوگی، تاہم تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔

ج. بلا اجازت اٹھانا، یعنی چور نے ایسا مال اٹھایا ہو جسے لینے یا اٹھانے کی اجازت نہ ہو، لہٰذا اگر کسی مال لینے کی یا اٹھا کر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہو، اور وہ اس کو بالکل لے جائے، تو اس پر بھی حدِ سرقہ جاری نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو، خواہ وہ نوکر ہو یا مزدور ہو، یا کوئی دوست یا عزیز ہو، اور وہ گھر سے کوئی چیز اٹھا کر لے جائے، تو ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا نہیں دی جائے گی، نیز اجازت شبہ بھی ہو جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی جیب کاٹ لی، یا زیور نقدی وغیرہ چھین لی، یا دھوکہ دے کر لے لی، یا امانت لے کر مکر گیا، تو ان سب صورتوں میں بھی حد جاری نہیں ہوگی، بلکہ ان کو تعزیری سزا دی جائے گی، جو کہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے۔

د. چھپا کر لینا، کیونکہ دوسرے کا مال اعلانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے جس کی سزا پہلے بیان ہو چکی ہے غرض خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہیں ہوگی۔

ہ. چور کا مکلف اور صحیح سالم ہونا، یعنی عاقل بالغ بینا ہونا اور بائیں ہاتھ اور دائیں ٹانگ سے اور قوتِ گویائی سے محروم نہ ہونا، لہٰذا نابالغ، مجنون، نابینا، گونگے اور ایسے چور پر حدِ سرقہ جاری نہیں ہوگی جس کا بائیں ہاتھ اور دائیں ٹانگ مفلوج ہو، تاہم مال کا ضمان واجب ہوگا۔

و. مال کا شرعاً قیمتی ہونا، یعنی ایسا مال چرانا جو شریعت کی نظر میں کچھ قدر و قیمت رکھتا ہو، لہٰذا مسلمان کی شراب چرانے پر حدِ سرقہ جاری نہیں ہوگی۔

ان تمام شرائط کی تفصیل پڑھنے سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے عرف میں جس کو چوری کہا جاتا ہے وہ ایک عام اور وسیع مفہوم ہے اس کے تمام افراد پر حد سرقہ یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا شرعاً نہیں ہے۔ بلکہ چوری کی صرف اس صورت میں یہ حد شرعی جاری ہوگی جس میں یہ تمام شرائط موجود ہوں اس کے ساتھ ہی یہ بھی اپ معلوم کر چکے ہیں کہ جن صورتوں میں چوری کی حد شرعی ساکت ہو جاتی ہے تو یہ لازم نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکم وقت اپنی صواب دید کے مطابق اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے جو جسمانی کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔

حد سرقہ کا بیان

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں ڈکیتی کی سزا چار قسموں پہ مشتمل ہے سورۃ المائدہ میں ہے:وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ[5] ترجمہ: اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اس سے ملحق اگلی آیت میں ہے: فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[6] ترجمہ: پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی اور اصلاح کرلی تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ دونوں ہاتھ نہیں بلکہ ایک ہاتھ کاٹا جائے گا اور پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ لا قطع علیٰ خائن اس سے معلوم ہوا کہ سرقے کا اطلاق خیانت وغیرہ پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضے میں کرلے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے ایک ڈھال کی قیمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بروایت عبد اللہ ابن عباسؓ دس درہم، بروایت ابن عمرؓ تین درہم، بروایت انس بن مالکؓ پانچ درہم اور باروایت حضرت عائشہؓ ایک چوتھائی دینار ہوتی تھی۔ اسی اختلاف کے بنا پر فقہاء کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سرقے کا نصاب 10 درہم ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چوتھائی دینار ہے۔ پھر بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ، سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ »[7] رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: "پھل اور جمار (کھجور کے درخت کے پیڑی کا گابھا) کی چوری میں ہاتھ نہیں کٹے گا۔" اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے کہعَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «لَمْ يَكُنْ يُقْطَعُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ »[8] حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: "حقیر چیزوں کی چوری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔" جہاں تک آیت نمبر ۳۹ کی وضاحت کی بات ہے تو اس کی تفصیل مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ جو شخص توبہ کرلے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ مطلب یہ ہے ہاتھ کٹنے کے بعد جو شخص توبہ کرلے اور اپنے نفس کو چوری سے پاک کر کے اللہ کا صالح بندہ بن جائے وہ اللہ کے غضب سے بچ جائے گا اور اللہ اس کے دامن سے اس داغ کو دھو دے گا۔

زنا

زنا کا عام مفہوم جس سے ہر شخص واقف ہے یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت بغیر اس کے کہ ان کے درمیان جائز رشتہ زن و شوہر ہو، باہم مباشرت کا ارتکاب کریں۔ اس فعل کا اخلاقی طور پہ برا ہونا یا مذہبی اعتبار سے گناہ ہونا یا معاشرتی حیثیت سے معیوب اور قابل اعتراض ہونا ایک ایسی چیز ہے جس پر قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام انسانی معاشرے متفق رہے ہیں۔

زنا کی حد

ذخیرہ احادیث اور آیات قران میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا زنا کی سزا ہلکی رکھی گئی تھی کہ قاضی یا امیر اپنی صوابدید پر اس جرم کے مرتکب مرد و عورت کو ایذا پہنچائے اور عورت کو گھر میں مقید رکھا جائے جیسا کہ سورہ نساء آیت نمبر 15 میں بیان ہوا وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ

فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا[9] ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کرے ان پر اپنوں میں سے چار مرد گواہ لاؤ، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا پھر اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔ دوسرا دور وہ ہے جس کا حکم سورہ نور کی آیت میں نازل ہوا: اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ[10] ترجمہ: بدکار عورت اور بدکار مرد پس دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو، اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔ اس آیت کے مطابق دونوں کو سو سو کوڑے لگائے۔ تیسرا درجہ وہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نور کی مذکورہ آیت نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ 100 کوڑوں کی سزا پر ان لوگوں کے لیے ایک اکتفا کیا جائے جو شادی شدہ نہ ہوں اور شادی شدہ مرد ہو یا عورت اس کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا رجم و سنگساری ہے۔ مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں ائمہ اربعہ کے حوالے سے زنا کی سزا کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

أ. شادی شدہ مرد و عورت کے لیے زنا کی سزا امام احمد بن حنبلؒ، امام داؤد ظاہریؒ، اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک سو کوڑے لگانا اور اس کے بعد سنگسار کرنا ہے۔

ب. باقی تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے سزا صرف سنگساری ہے رجم اور سزائے تازیانہ کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

ج. غیر شادی شدہ کی سزا امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق داؤد ظاہریؒ، سفیان ثوریؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، اور حسن بن صالحؒ کے نزدیک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی مرد اور عورت ہر دو کے لیے ہو گی۔

د. امام مالکؒ، اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک مرد کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور عورت کے لیے صرف سو کوڑے ہیں۔

(جلاوطنی سے مراد ان سب کے نزدیک یہ ہے کہ مجرم کو اس کی بستی سے نکال کر کم از کم اتنے فاصلے پر بھیج دیا جائے جس پر نماز میں قصر واجب ہو تا ہے مگر زید بن علیؒ اور امام جعفر صادقؒ کے نزدیک قید کر دینے سے بھی جلاوطنی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔)

ہ. امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں حد زنا مرد اور عورت دونوں کے لیے صرف 100 کوڑے ہیں۔ اس پر کسی اور سزا مثلاً قید یا جلاوطنی کا اضافہ نہیں بلکہ تعزیر ہے قاضی اگر یہ دیکھے کہ مجرم بد چلن ہے یا مجرم اور مجرمہ کے تعلقات بہت گہرے ہیں تو حسب ضرورت وہ انہیں خارج البلد بھی کر سکتا ہے۔ اور قید بھی کر سکتا ہے ان مختلف مسالک میں سے ہر ایک نے مختلف احادیث کا سہارا لیا ہے۔[11]

رجم

شادی شدہ شخص کے لیے رجم کی سزا احدیث مبارکہ سے ثابت ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مجمع عام کے سامنے اس پر عمل فرمایا۔ ماعز اور غامدیہ پر سزائے رجم و سنگساری جاری فرمائی۔ جو تمام کتب حدیث میں اسانید صحیحہ کے ساتھ مذکور ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد جہنیؓ کی روایت صحیحین میں ہے کہ:

زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الجُهَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُمَا قَالاَ: إِنَّ رَجُلًا مِنَ الأَعْرَابِ أَتَى

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنْشُدُكَ اللَّهَ إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللَّهِ، فَقَالَ الخَصْمُ الآخَرُ: وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، نَعَمْ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ، وَأْذَنْ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُلْ، قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا، فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ، وَوَلِيدَةٍ، فَسَأَلْتُ أَهْلَ العِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا الرَّجْمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ، الوَلِيدَةُ وَالغَنَمُ رَدٌّ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ، وَتَغْرِيبُ عَامٍ، اغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هَذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»، قَالَ: فَغَدَا عَلَيْهَا، فَاعْتَرَفَتْ، فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرُجِمَتْ[12] "حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالد جہنیؓ دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور آکر کہنے لگا: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپؐ کو اللہ کی قسم کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کی کتاب کے مطابق میرا فیصلہ فرما دیں۔ اور دوسرا شخص جو پہلے سے زیادہ سمجھدار تھا کہنے لگا: "مجھے اجازت دیجئے کہ میں واقعہ بیان کروں۔" آپ نے فرمایا: "بیان کرو۔" وہ بولا: "میرا لڑکا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اور وہ اس کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے لڑکے پر رجم کی سزا پڑتی ہے تو میں نے اس کے فدیے کے طور پر اس آدمی کو ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی۔ پھر جب میں نے اہل علم لوگوں سے مسئلہ دریافت کیا تو اُنہوں نے بتایا کہ میرے لڑکے پر تو سو کوڑوں کی سزا واجب ہے اور اس کے ساتھ ایک سال کی جلاوطنی جبکہ عورت پر رجم کی سزا واجب ہے۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں تمہارے درمیان کتابِ الٰہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں واپس کر دی جائیں اور تمہارے لڑکے پر سو کوڑوں کی سزا واجب ہے اور ایک سال کے لئے جلاوطنی اور اے انیسؓ (ایک انصاری صحابی کا نام ہے) اس کی عورت کے پاس جاؤ، اگر یہ اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا۔ پھر جب وہ (صحابی) اس عورت کے پاس گئے تو اس نے اعترافِ جرم کر لیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے رجم کیا گیا۔"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو سو کوڑے لگانے کی دوسرے کو سنگسار کرنے کی سزا دی اور دونوں سزاؤں کو قضا بکتاب اللہ فرمایا۔ حالاں کہ آیت سورہ نور میں صرف کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے سنگساری کی سزا مذکور نہیں وجہ وہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس آیت کے مکمل تفسیر اور تشریح اور تفصیلی حکم بذریعہ وحی اللہ تعالی نے بتلا دیا تھا وہ سارا کتاب اللہ ہی کے حکم میں ہے۔ گو اس میں سے بعض حصہ کتاب اللہ میں مذکور اور متلو نہیں۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں حضرت فاروق اعظم کا خطبہ بروایت ابن عباسؓ مذکور ہے صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا جبکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر پر تشریف رکھتے تھے کہ اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ

بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تو جو کچھ کتاب اللہ میں آپ پر نازل ہوا اس میں آیت رجم بھی ہے جس کو ہم نے پڑھا یاد کیا اور سمجھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا اب مجھے یہ خطرہ ہے کہ زمانہ گزرنے پر کوئی یوں نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے تو وہ ایک دینی فریضہ چھوڑ دینے سے گمراہ ہو جائیں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور سمجھ لو کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق ہے اس شخص پر جو مردوں اور عورتوں میں محصن ہو یعنی شادی شدہ جبکہ اس کے زنا پر شرعی شہادت قائم ہو جائے یا حمل اور اعتراف پایا جائے۔ یہ روایت صحیح بخاری میں اور بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

احصان کی شرائط

واضح رہے کہ حد زنا کے باب میں محصن یعنی شادی شدہ شخص کی سزا رجم ہے اور غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ کی سزا کوڑے ہے۔ اور زنا کے باب میں جو احصان ہے اس کی سات شرائط ہیں:

أ. آزاد ہونا
ب. عاقل ہونا
ج. بالغ ہونا
د. مسلمان ہونا
ہ. اس کا نکاح صحیح ہو چکا ہو
و. نکاح کے بعد بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کیا ہو یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو۔
ز. میاں بیوی نکاح کے بعد ازدواجی تعلق کے وقت صفتِ احصان کے ساتھ متصف ہوں۔[13]

غیر محصن وہ شخص ہے جس میں مذکورہ سات باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہ ہو یا ساتوں باتیں نہ ہوں۔

حد زنا کے نفاذ میں احتیاط

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اس کے ثبوت کے لیے کڑی شرائط بھی سخت رکھی گئی ہیں جن میں ذرہ بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کے انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہو جاتی ہے اور صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے۔

أ. اسلامی حکومت کسی شخص کے خلاف زنا کے جرم میں کوئی کاروائی نہ کرے گی جب تک کہ اس کے جرم کا ثبوت نہ مل جائے۔ ثبوت جرم کے بغیر کسی کی بدکاری خواہ کتنے ہی ذرائع سے حکام کے علم میں ہو بہر حال اس پر حد جاری نہیں کر سکتے۔ شہادت کے بغیر قاضی محض اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کر سکتا خواہ وہ اپنی انکھوں سے ارتکاب جرم ہوتے دیکھ چکا ہو۔

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کے متعلق روایات میں ہے کہ وہ کھلی کھلی فاحشہ تھی بخاری میں ایک روایت میں ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: « لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُهَا »[14]

لیکن چونکہ اس کے خلاف بدکاری کا ثبوت نہ تھا اس لیے اسے کوئی سزا نہ دی گئی حالانکہ اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ تک نکل گئے کہ:

اگر میں ثبوت کے بغیر رجم کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو ضرور رجم کرتا۔

ب. جرم زنا کا پہلا ممکن ثبوت یہ ہے کہ شہادت اس پر قائم ہو اس کے متعلق قانون کے اہم اجزاء یہ ہیں قران کریم تشریح کرتا ہے کہ زنا کے لیے کم سے کم چار عینی شاہد ہونے چاہیے۔ اس کی صراحت سورہ نساء آیت نمبر ۱۵ میں اور سورہ نور میں بھی دو جگہ وارد ہے۔

ج. گواہ ایسے لوگ ہونے چاہیے جو اسلامی قانون شہادت کی رو سے قابل اعتماد ہوں مثلا یہ کہ وہ پہلے کسی مقدمے میں جھوٹے گواہ ثابت نہ ہو چکے ہوں، خائن نہ ہوں، پہلے کے سزا یافتہ نہ ہوں، ملزم سے ان کے دشمنی ثابت نہ ہو وغیرہ۔ بہر حال نا قابل اعتماد شہادت کی بنا پر نہ تو کسی کو رجم کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جا سکتے ہیں۔

د. گواہوں کو اس بات کی شہادت دینی چاہیے کہ انہوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالت مباشرت میں دیکھا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

قَالَ: «كَمَا يَغِيبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْحُلَةِ، وَالرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ»[15]

آپؐ نے فرمایا کہ: اس طرح جیسے سرمہ دانی میں سلائی اور کنویں میں رسی میں غائب ہو جاتی ہے۔

ہ. گواہوں کو اس امر میں متفق ہونا چاہیے کہ انہوں نے کب کہاں کس کو کس سے زنا کرتے دیکھا ہے ان بنیادی امور میں اختلاف ان کے شہادت کو ساکت کر دیتا ہے۔

ان شرائط کی روشنی میں جب ایک مرتبہ زنا کا جرم ثابت ہو جائے اور قاضی حد کا فیصلہ سنا دے تو پھر سزائے زنا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنے والوں کو ان پر رحم آجائے سزا کو چھوڑ بیٹھے یا کم کر دیں اس لیے اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں۔ رافت ورحمت اور عفو و کرم ہر جگہ محمود ہے مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ ساری خلق خدا کے ساتھ بے رحمی ہے اس لیے ممنوع و ناجائز ہے۔ ایک اور اہم چیز یہ بھی ہے کہ سزائے زنا جاری کرنے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے اسلام میں سب سزاؤں اور خصوصا حدود کو منظر عام پر جاری کر دینے کا طریقہ رائج ہے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو مگر ایک جماعت کو اس میں حاضر و موجود رہنے کا حکم یہ بھی سزائے زنا کی خصوصیت ہے۔

حد قذف

حدود کے باب میں چوتھی چیز جس کا بیان آرہا ہے وہ حد قذف ہے۔ "حدِ قذف" بھی اللہ تعالی کی جانب سے مقرر کردہ ایک سزا ہے، "قذف" عربی زبان میں تہمت لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یاد رہے کہ کسی پاک دامن شخص کی طرف صراحتاً یا دلالتاً زنا کی نسبت کرنا یا زنا کی تہمت لگانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور اس جرم کے مرتکب کے لیے شرعاً جو سزا مقرر ہے اسے "حدِ قذف" کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں سورۃ النور میں ہے کہ: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَـهُـمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ[16] ترجمہ: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی دُرّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور وہی لوگ نافرمان ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ زنا چونکہ سارے جرائم سے زیادہ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ ہے۔ اس لیے

اس کی سزا شریعت اسلام نے دوسرے سب جرائم سے زیادہ سخت رکھی ہے۔ اس لیے عدل و انصاف کا تقاضا تھا کہ اس معاملہ کے ثبوت کو بڑی اہمیت دی جائے بغیر شرعی ثبوت کے کوئی کسی مرد یا عورت پر زنا کا الزام، تہمت لگانے کی جرات نہ کرے۔ اس لیے شریعت اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے اگر کوئی کسی پر صریح تہمت زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے والے کو بھی شدید جرم قرار دیا اور اس جرم پر بھی حد شرعی 80 کوڑے مقرر کی۔ جس کا لازمی اثر یہ ہو گا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اسی وقت لگانے کی جرات کرے گا جب کہ اس نے اس فعل خبیث کو اپنی آنکھ سے دیکھا بھی ہو اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی بھی دیں گے کیونکہ اگر دوسرے گواہ ہیں ہی نہیں، یا چار سے کم ہیں، یا ان کے گواہی دینے میں شبہ ہے تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمت زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی بھی حال میں گوارا نہیں کرے گا۔ آیت مذکورہ بالا میں محصنات کا لفظ ہے یہ لفظ احصان سے مشترک ہے اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں:

أ. ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جاوے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت کے ساتھ صحیح نکاح کر چکا ہو اور اس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو تو اس پر سزائے رجم و سنگساری جاری ہو گی۔

ب. دوسری قسم وہ ہے جس کا اعتبار حد قذف یعنی تہمت زنا میں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور عفیف ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو آیت میں یہی معنی محصنات کے ہیں۔

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب زنا کی شہادت کے لیے ایسی کڑی شرطیں لگا دی گئی تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل جائے گی نہ کسی کو شہادت کی جرات ہو گی نہ کبھی ثبوت شرعی پہنچے گا نہ ایسے مجرم کبھی سزایاب ہو سکیں گے؟ مگر یہ خیال اس لیے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے یا رجم اور سنگساری کی سزا دینے کے لیے تو یہ شرطیں ہیں لیکن دو غیر محرم مرد و عورت کو یکجا قابل اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں اور ایسے تمام امور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعا قابل سزائے جرم ہیں۔ لیکن ان صورتوں میں حد شرعی کی سزا نہیں بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صواب دید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے۔ اس لیے جس شخص نے دو مرد و عورت کو زنا میں مبتلا دیکھا مگر دوسرا گواہ نہیں ہے تو اس کے لیے یہ صورت ہے کہ صراحتا زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے۔ اور حاکم قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت جرم جاری کر سکتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حد قذف میں چونکہ حق العبد یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کا حق بھی شامل ہے اس لیے یہ حد جب ہی جاری کی جائے گی جب کہ مقذوف یعنی جس پر تہمت لگائی گئی وہ حد جاری کرنے کا مطالبہ بھی کرے وگرنہ حد ساقط ہو جائے گی۔ بخلاف حد زنا کے کہ وہ خالص حق اللہ ہے اس لیے کوئی مطالبہ کرے یا نہ کرے حد زنا جرم ثابت ہونے پر جاری کی جائے گی۔

حد قذف کی ایک سزا تو اوپر بیان کی گئی دوسری سزا جس شخص پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو جائے اور مقصوف کے مطالبہ سے اس پر حد قذف جاری ہو جائے تو اس کی ایک سزا تو فوری ہو گئی کہ 80 کوڑے لگائے گئے۔ دوسری سزا ہمیشہ کے لیے

جاری رہے گی وہ یہ ہے کہ اس کی شہادت کسی معاملے میں قبول نہ کی جائے گی جب تک کہ یہ شخص اللہ تعالی کے سامنے ندامت کے ساتھ توبہ نہ کرے اور مقذوف شخص سے معافی حاصل کر کے توبہ کی تکمیل نہ کرے اس وقت تک توبا اجماع امت اس کی شہادت کسی بھی معاملہ میں مقبول نہ ہو گی اور اگر توبہ کر لے تب بھی حنفیہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہیں ہوتی ہاں گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں استثنا امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک آیت سابقہ کے صرف آخری جملے کی طرف راجع ہے یعنی ھم الفاسقون تو مطلب اس استثنا کا یہ ہے کہ جس پر حد قذف جاری ہوئی ہے وہ فاسق ہے۔ امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ نے استثنامذکور کو آیت سابقہ کے سب جملوں کی طرف راجع کیا ہے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ توبہ کر لینے سے جیسا کہ وہ فاسق نہیں رہا اس لیے مردود الشہادت بھی نہیں رہے گا۔

شراب خوری

شراب کی حرمت کے سلسلے میں سورۃ المائدۃ میں آتا ہے:یَآ اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ[17] ترجمہ: اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔ شراب کی حرمت کے سلسلے میں اس سے پہلے دو حکم آچکے تھے جو سورہ بقرہ اور سورہ نساء میں مذکور ہیں۔ شراب کے باب میں سورہ مائدہ کی یہ مذکورہ بالا آیت آخری حکم کے طور پر نازل ہوئی جس میں شراب کو صراحتا حرام قرار دے دیا گیا۔ خمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور عرب مجازاً گیہوں، جو، کشمش، کھجور اور شہد کی شرابوں کے لیے بھی یہ لفظ بولتے تھے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے اس حکم کو تمام ان چیزوں پر عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ:عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ يُصْنَعُ عِنْدَنَا شَرَابٌ مِنَ الْعَسَلِ يُقَالُ لَهُ: الْبِتْعُ وَشَرَابٌ مِنَ الشَّعِيرِ يُقَالُ لَهُ: الْمِزْرُ، وَهُمَا يُسْكِرَانِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»[18] ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں شہد کا ایک مشروب بنایا جاتا ہے جسے البطاء کہتے ہیں اور جَو سے بنا ہوا مشروب جسے الیل کہتے ہیں۔ وہ نشہ آور ہو جاتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔"

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ؟ فَقَالَ: «كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ»[19]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہد کی بنی ہوئی شراب کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا:"ہر مشروب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراب پینے والے کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی جو شخص اس جرم میں گرفتار ہو کر آتا تھا اسے جوتے، لات، مکے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹے اور کھجور کے سنٹے مارے جاتے تھے، زیادہ سے زیادہ 40 ضربیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس جرم پر لگائی گئی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں 40 کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی ابتدا 40 کوڑوں ہی کی سزا رہی پھر جب انہوں نے دیکھا کہ

لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے 80 کوڑے سزا مقرر کی۔ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ يُؤْتَى بِالشَّارِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِمْرَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُومُ عَلَيْهِ بِأَيْدِينَا وَنِعَالِنَا وَأَرْدِيَتِنَا حَتَّى كَانَ آخِرُ إِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ أَرْبَعِينَ حَتَّى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِينَ[20] سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے دور میں، ابو بکرؓ کے دور خلافت اور عمرؓ کے خلافت کے شروع کے دور میں شراب نوش کو لایا جاتا تو ہم اپنے ہاتھوں، جوتوں اور اپنے کپڑوں کے ساتھ اسے مارتے تھے حتی کہ عمرؓ کی خلافت کے آخری دور میں چالیس کوڑے مارے جاتے تھے حتی کہ جب وہ حد سے بڑھ گئے اور سرکشی پر اُتر آئے تو انہوں نے اسّی کوڑے مارے۔ اسی سزا کو امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت کے بموجب امام شافعیؒ بھی شراب کی حد قرار دیتے ہیں۔ مگر امام احمد بن حنبلؒ اور ایک دوسرے روایت کے مطابق امام شافعیؒ 40 کوڑوں کے قائل ہیں۔

اسلامی حدود و تعزیرات کا تصور: جدت پسند مفسرین کی نظر میں

تفسیر مطالب الفرقان میں غلام احمد پرویز صاحب حدود و تعزیرات کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فقہ کی رو سے قران کریم کے مقرر کردہ سزاؤں کو حدود کہا جاتا ہے اور جو سزائیں فقہ نے تجویز کی ہیں انہیں تعزیرات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلامی مملکت حدود کے متعلق ضروری شرائط تعین کرے گی اور اپنے زمانہ اور معاشرہ کے حالات کے مطابق تعزیرات بھی وہی مقرر کرے گی کسی زمانہ کی اسلامی مملکت کی مقرر کردہ شرائط یا تعزیرات آنے والی حکومت پر بائنڈنگ نہیں ہو سکتی ہیں۔ غلام احمد پرویز صاحب رقم طراز ہیں:

> ''ابدیت صرف قانون خداوندی کو حاصل ہے انسانوں کے وضع یا مرتب کردہ قوانین کو نہیں ان سے استفادہ تو کیا جا سکتا ہے انہیں غیر متبدل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن کے مقرر کردہ سزاؤں بلکہ احکام کے متعلق اس بنیادی حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسلامی معاشرہ یا اسلامی نظام میں نافذ ہونے کے لیے ہیں۔ غیر اسلامی معاشرہ یا نظام کے لیے نہیں اگر ان سزاؤں کو غیر اسلامی معاشرہ میں نافذ کر دیا جائے تو یہ غیر مسلموں کے الفاظ میں وحشیانہ نظر آئیں گی اور ممکن ممکن العمل بھی نہیں ہوں گی۔ اس کا نہایت تلخ اور افسوس تجربہ مملکت پاکستان میں کیا جا چکا ہے اوائل 1979ء میں حدود کے نام سے کچھ قوانین نافذ کیے گئے اول تو وہ قوانین قرآن کے مطابق نہیں تھے وہ فقہی قوانین تھے نتیجہ یہ ہے کہ ان پر عمل ہی نہیں ہو سکا اور غیر مسلموں بلکہ خود ہماری اپنی قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ اسلامی سزائیں وحشت ناک بھی ہیں اور ناممکن العمل بھی۔ اس سے اسلام، دنیا میں جس قدر بدنام ہوا ظاہر ہے کہ غیر اسلامی معاشرہ میں وہ خواہ مسلمان نام رکھنے والی قوم پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو اسلامی قوانین فٹ نہیں ہوتے۔''[21]

حدود و تعزیرات کی حیثیت کے متعلق اجمالی خاکے کے بعد ان کا تفصیلی ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ڈکیتی

ڈکیتی کی جو سزا سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳ میں فساد افی الارض سے تعبیر کرتے ہوئے بیان کی گئی ہے اس کے متعلق سر سید احمد

خان اپنی تفسیر قرآن میں جو نظریہ پیش کرتے ہیں اس کو نکات کی صورت میں ذیل میں درج کیا جارہا ہے: اس آیت میں ان لوگوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں جن کا قتل کرنا یا ان کو اور کسی قسم کی سزا دینا ضروری قرار دیا گیا ہے یہ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ جسے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو فطرت انسانی میں تمدن پیدا کیا ہے اور رسول نے بھی اسی کے مطابق انسانوں کے لیے احکام تمدن صادر فرمائے ان کے برخلاف کام کرنے کو خدا اور رسول سے جنگ کرنا فرمایا ہے ۔یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو امن اور راحت اور تمدن میں خلل ڈالتے ہیں جیسے ڈاکہ ڈالنا راستہ لوٹنا یا گھروں میں گھس کر یا مل کر چوری کرنا ان کے لیے اس آیت میں سزائیں بیان فرمائی ہیں: یا قتل، یا سولی پر لٹکا دینا، یا ان کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دینا، یا قید خانہ میں بند کر رکھنا۔ سرسید احمد خان ڈکیتی اور چوری کی سزا کو خلط کرتے ہیں اور ایک ہی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی تین سزائیں قتل، سولی پر لٹکا دینا اور ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دینا چوری یا ڈاکہ کرنے والوں سے متعلق نہ تھیں اس لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ چور کو جب سزائے بدنی دی جائے تو صرف اس کا ہاتھ کاٹنا ہوگی پس چور کے لیے صرف دو سزائیں باقی رہیں یہاں ہاتھ کاٹنا یا قید خانہ میں بند کر کے رکھنا۔ "نفی بلد" یا "نفی من البلد" کے معنی شہر سے یا ملک سے غائب کر دینے کے ہیں اور اس سے کسی خاص شہر یا خاص ملک سے خارج کر دینا بھی سمجھا جا سکتا ہے مگر اس مقام پر یہ پچھلے معنی صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ ڈاکوؤں و قطاع الطریقوں اور چوروں کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں نکال دینے سے انسان ان کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتے اس لیے اس مقام پر نفی سے وہی پہلے معنی مراد ہو سکتے ہیں یعنی قید کرنا۔ چناں چہ سرسید احمد خان کا ماننا ہے کہ قرآن کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو قید کر دو نیز اس آیت میں جس میں چور کا صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ لازمی نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس کو لازمی سمجھا ہے انہوں نے استنباط مسائل میں غلطی کی ہے اول تو خود آیت ہی میں موجود ہے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو یا قید خانہ میں بند کر رکھو اختیار ہے دونوں سزاؤں میں سے جو چاہو دے دو۔ اپنے اس موقف کو مضبوط پیش کرنے کے لیے لکھتے ہیں کہ: صحابہ کے وقت میں ایسے واقع بھی پائے جاتے ہیں کہ انہوں نے بھی ڈاکوؤں کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا اور صرف قید کیا بلکہ اکثر ڈاکو سمجھتے تھے کہ اگر پکڑے جائیں گے تو قید کیے جائیں گے اور ہاتھ اور پاؤں کاٹے جانے کا کسی کو خیال بھی نہ تھا اس کی بے شمار مثالیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ اس ساری بحث کے بعد سرسید نے ایک نیا نکتہ بیان کیا کہ ہاتھ کا کاٹنا بامر مجبوری ہے۔ اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں کہ:

> "جس زمانے میں کہ ملک کی یا قوم کی ایسی حالت ہو کہ قید خانوں کا انتظام ممکن ہو نہ اور نہ ایسے جزائر پر دسترس ہو جہاں مجرم جلاوطن کر کے قید کیے جائیں تو ان جرموں کے ختم کرنے کے لیے اور تمام خلق اللہ کو امن دینے کے لیے بالاضطرار سزا بدنی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ گو کہ وہ ایک وحشیانہ سزا ہے مگر بامر مجبوری اختیار کی جا سکتی ہے۔ پس قرآن مجید نے مجبوری کی حالت میں اس سزا بدنی کو جائز رکھا ہے۔"[22]

اسی نکتے کے اخیر میں بیان کرتے ہیں کہ صرف ایک جرم یعنی زنا میں سزا بدنی کا دیا جانا فطرت انسانی کے مطابق ہے کیونکہ جیسا وہ جرم لذت نفسانی سے تعلق رکھتا ہے ویسے ہی اس کی سزا بھی تکلیف نفسانی سے ہونی چاہیے پس اسلام نے بھی سوائے حالت

مجبوری کے بجز زنا کے اور کسی جرم میں سزا بدنی کو جائز نہیں رکھا۔ اور جہاں تک مجرم کو معاف کرنے کا تعلق ہے تو اس کی نسبت نہایت عمدہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے ایک ڈاکو جو درحقیقت ڈاکہ زنی کرتا ہے یا ایک چور جو درحقیقت چوری کا پیشہ اختیار کرتا ہے اس کے ڈاکو یا چور ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ لیکن اگر قبل ہماری قدرت سزا دینے کے وہ ڈاکو اور چور اپنے پیشے کو چھوڑ دیں اور صلاحیت قبول کر لیں اور نیک چلن ہو جائیں تو ان کے گزشتہ افعال سے درگزر کرنا ایک ایسا امر ہے جس کی مخالفت نہ انصاف کرتا ہے نہ کوئی قانون۔

سرقہ

سرقہ کی سزا کے باب میں سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۳۸ کے ذیل میں غلام احمد پرویز صاحب مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں کہ آیت میں جو قطع ید کا ذکر ہے عام طور پر اس کے معنی ہاتھ کاٹ دینا کے لیے جاتے ہیں لیکن اس کے معنی ہر حالت میں یہ نہیں۔ اس موقع پر پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ اس مسلہ کی اہمیت کے پیش نظر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے لغت کی رو سے دیکھ لیا جائے کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے؟ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی لغات میں مادہ ق، ط، ع کے تحت جو کچھ لکھا ہے اسے درج ذیل کیا جاتا ہے: "قطع الشی کے معنی ہیں اس چیز کو کاٹ دیا، راغب نے کہا ہے کہ یہ لفظ ایسی چیزوں کے کاٹنے پر بھی بولا جاتا ہے جنہیں ہم انکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جیسے قطع اللحم گوشت کاٹنا اور ان چیزوں پر بھی جو معنوی طور پر کٹ جاتی ہیں جیسے قطع السبیل ڈاکہ مار کر راستہ کی آمدورفت کا کاٹ دینا قطع لسانہ کسی پر احسان کر کے اس کی زبان بند کر دینے کو بھی کہتے ہیں قران کریم میں یقطعون ما امر اللہ میں یہی معنوی انقطاع مراد ہے یعنی انسانیت کے وہ رشتے جنہیں خدا نے ایک دوسرے کے ساتھ ملائے رکھنے کا حکم دیا تھا انہیں کاٹ کر الگ الگ کر دیتے ہیں نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ قطع خصمہ بالحجۃ اس نے دلائل و براہین سے فریق مقابل کو لاجواب کر دیا قطع رحمہ قطعیۃ اس نے اپنے رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کر لیے۔ چنانچہ اقطوعۃ اس چیز کو کہتے ہیں جو قطع تعلقات کی نشانی کے طور پر بھیجی جائے قطع عنق دابتہ کے یہ معنی نہیں کہ اس نے اپنی جانور کا گلا کاٹ دیا بلکہ اس کے معنی ہیں اس نے اپنے جانور کو فروخت کر دیا قطعت لسانہ کے معنی ہیں کہ وہ زبان جو پہلے قینچی کی طرح چلتی تھی اب اس میں وہ بات نہیں رہی قطعت یدہ کے معنی ہیں اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی بیماری ہو گئی کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ چنانچہ سورہ یوسف میں جہاں ہے قطعن ایدیھن تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ان عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر الگ کر کے پھینک دیے اس کے معنی ہیں کہ ان کے ہاتھ کام کرنے سے رک گئے یا فرط حیرت میں انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے اسی طرح قطاع الطریق ڈاکوؤں کو کہتے ہیں جو راستہ روک کر رہزنی کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے قوم لوط کے ضمن میں اسے قطع السبیل کہا ہے۔"[23]

سورہ مائدہ میں چوری کی سزا کے متعلق ہے فاقطعوا ایدیھما جس کے معنی عام طور پر یہ لیے جاتے ہیں کہ ان کے ہاتھ کاٹ کر الگ کر دو۔ لیکن پرویز صاحب کے مطابق لفظ قطع ید کے مذکورہ صدر معانی کے پیش نظر اس کے لیے یہ معانی بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی ایسا طریق اختیار کرو جس سے ان کے ہاتھ چوری سے رک جائیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اس مفہوم کی تائید آیت کے باقی ماندہ ٹکڑے سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے جزا بما کسبا نکالا من اللہ یہ ان کے جرم کی سزا ہے جو قانون خداوندی کی طرف سے بطور ایک روک ہے یعنی چوری کی سزا میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے چور کے ہاتھ چوری کرنے سے رک جائیں۔ اس لیے کہ اس

سے آگے فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ اور جو مجرم ارتکاب جرم کے بعد پشیمان ہو جائے اور اپنی اصلاح کر لے تو اسے قانون خداوندی کی رو سے معاف کر دینا چاہیے۔ اب ظاہر ہے کہ اس کی یہ پشیمانی اور اصلاح سزا ملنے سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اور سزا ملنے کے بعد بھی لیکن اگر سزا میں اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں تو اسے معافی مل جانے سے کیا حاصل ہو گا؟ قرآن کریم نے جو کہا ہے کہ جو مجرم ارتکاب جرم کے بعد تائب ہو جائے اور اپنی اصلاح کا عزم کرلے تو اسے معاف کر دیا جائے تو اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اس جرم کے انتہائی سزا (اگر دی جانے بھی مقصود ہو، یعنی ہاتھ کاٹ دینا) تو وہ عادی مجرم کے لیے ہو گی۔ غلام احمد پرویز صاحب ابتدائی طور پہ تو قطع ید کے قائل نہیں لیکن ان کا ماننا یہ ہے کہ اگر قطع ید مان بھی لیا جائے تو یہ سزا فقط عادی مجرم کی سزا ہے اپنے اس موقف میں وہ روایات کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کے جرم کی سزا کے طور پر مجرم کے ہاتھ نہیں کاٹے حتی کہ ایک روایت میں یہاں تک آیا ہے کہ ایک مجرم نے چار مرتبہ ارتکاب جرم کیا لیکن حضور ﷺ نے درگزر فرمایا۔ نظر آتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ فیصلے بتقاضائے حالات کیے ہوں گے۔ عہد فاروقی میں حضرت حاطب بن ابی بلتعؓ کے غلاموں کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔ انہوں نے ایک شخص کا اونٹ چرا کر ذبح کر کے کھالیا ان کے خلاف چوری کا جرم ثابت ہو گیا حضرت عمرؓ نے حد (سزا) نافذ کرنے سے پہلے ان سے پوچھا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ حاطب ہم سے کام سخت لیتا ہے لیکن کھانے کو اس قدر کم دیتا ہے کہ اس سے ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ ہم نے انتہائی مجبوری کے عالم میں ایسا کیا۔ یہ سن کر آپؓ نے ان غلاموں کو تو معاف کر دیا اور حاطبؓ کو بلا کر کہا کہ چاہیے تو یہ کہ چوری کے جرم کی سزا تمہیں دی جائے کیونکہ اس جرم کے مرتکب تمہارے غلام نہیں، تم ہو جس نے انہیں اس حالت تک پہنچا دیا کہ وہ چوری کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن میں تم سے نرمی برتتا ہوں۔ اس دفعہ تو اتنی سزا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ تم اونٹ کی قیمت اس کے مالک کو ادا کر دو اور اگر آئندہ تمہارے غلاموں کی یہی حالت ہو گی تو پھر تمہارے لیے کسی سخت سزا کا سوچا جائے گا۔ اسی قسم کے فیصلوں کی روشنی میں بعض فقہاء نے قانون وضع کیے تھے کہ مجبوری کی حالت میں چوری مستوجب سزا نہیں ہوتی۔"[24]

زنا

زنا کی سزا کے حوالے سے جدت پسند مفسرین میں سے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے موقف میں بہت حد تک مماثلت ہے۔ غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ زنا کی سزا قرآن میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے، اور وہ سورۃ النور آیت نمبر ۲ میں موجود ہے، جس میں زنا کرنے والے مرد اور عورت کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غامدی صاحب کے مطابق، زانی اور زانیہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ، زنا کی شرعی سزا وہی سو کوڑے ہے جو قرآن مجید کی سورۂ نور (۲۴) میں بیان ہوئی ہے۔ غامدی صاحب کا ماننا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں زنا کے بعض مجرموں کو رجم، یعنی سنگ ساری کی سزا بھی دی تھی، لیکن یہ سورۂ مائدہ (۵) کی آیت محاربہ کے تحت اور زنا بالجبر اور اوباشی کے مجرموں کو دی گئی تھی۔

اِس کا سورۂ نور (۲۴) میں زنا کے عام مجرموں کے لیے بیان کی گئی سزا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ غامدی صاحب کا موقف ہے کہ قرآن کی یہ واضح آیت ہے کہ زنا کی سزا سو کوڑے مارنے کی ہے، اور قرآن میں کہیں بھی رجم (یعنی سنگسار کرنا) کا ذکر نہیں آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رجم کی سزا قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ زنا اور چوری کی جو سزائیں قرآن میں بیان ہوئی ہیں، وہ اِن جرائم کی انتہائی سزائیں ہیں اور صرف اُنھی مجرموں کو دی جائیں گی جن سے جرم بالکل آخری درجے میں سرزد ہو جائے اور اپنے حالات کے لحاظ سے وہ کسی رعایت کے مستحق نہ ہوں۔ اِن میں اہم ترین چیز اُن کا دینی شعور ہے۔ یہ سزائیں اُن لوگوں کے لیے نہیں ہیں جو غیر مسلم ہیں یا پیدایشی لحاظ سے مسلمان تو ہیں، مگر دینی شعور کے لحاظ سے غیر مسلموں ہی کے حکم میں ہیں۔ اِس لیے کہ اِن سزاؤں سے مقصود محض جرم کا استیصال نہیں ہے، بلکہ اُن مجرموں کو خدا کے عذاب کا مزہ چکھانا اور دوسروں کے لیے عبرت بنا دینا بھی ہے جنھوں نے پورے شعور کے ساتھ اپنے آپ کو خدا اور اُس کے رسول کے حوالے کیا، اُن سے عہد اطاعت باندھا، اُن کے دین کو دین کی حیثیت سے قبول کیا اور اِس کے بعد چوری اور زنا جیسے جرائم میں اِس حد تک ملوث ہو گئے کہ خدا نے اُن کا پردہ فاش کر دیا اور معاملات عدالت تک پہنچ گئے۔

اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں رجم کی سزا کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان کا موقف اس حوالے سے انتہائی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے اس مسئلے پر ایک جدید فکری زاویہ اختیار کیا، جو قرآن اور حدیث کے تعلق کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کی تفسیر میں اس موضوع پر جو بنیادی نکات اٹھائے گئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

1. قرآن میں زنا کی سزا

مولانا اصلاحی نے واضح کیا کہ قرآن مجید میں زنا کی سزا کے حوالے سے جو حکم دیا گیا ہے، وہ سورۃ النور آیت 2 میں ہے، جہاں زنا کے مجرموں کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت میں کسی بھی صورت میں رجم (سنگسار کرنے) کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے برعکس قرآن کا حکم یہ ہے کہ زنا کرنے والے مرد اور عورت کو سو کوڑے مارے جائیں۔ مولانا اصلاحی کا کہنا تھا کہ قرآن نے یہاں فقط "جلد" (کوڑے مارنا) کی سزا دی ہے اور اس میں رجم کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اس کے نتیجے میں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن میں جو سزا بیان کی گئی ہے، وہ صرف "ضرب" ہے، نہ کہ "رجم"۔

2. حدیث میں رجم کی سزا

مولانا اصلاحی نے حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا، جس میں زنا کے مجرموں کو رجم کی سزا دینے کا ذکر ہے۔ وہ مانتے تھے کہ حدیث میں یہ بات ملتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی سزا دی تھی، لیکن اس پر مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ان کے مطابق، اس بات کا قائل ہونے کے باوجود کہ رجم کی سزا بعض صورتوں میں دی گئی تھی، اس کو صرف حدیث پر مبنی سمجھنا اور اس کو قرآن کے نصوص پر فوقیت دینا درست نہیں ہے۔

3. قرآن اور حدیث کا تعلق

مولانا اصلاحی نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن اور حدیث دونوں کی اپنی اہمیت ہے، لیکن قرآن کو تمام مسلمانوں کا بنیادی قانون قرار دیا گیا ہے۔ ان کے مطابق جب کبھی قرآن کا حکم اور حدیث میں اختلاف پایا جائے، تو اس اختلاف کو قرآن کے اصولوں کے مطابق حل کرنا چاہیے۔ رجم کے باب میں روایتی مفسرین کی طرف سے جو احادیث مروی ہیں ان کے بارے میں اصلاحی

صاحب کا موقف یہ ہے کہ ان میں سے کچھ احادیث تو من گھڑت اور ضعیف ہیں اور کچھ احادیث ایسی ہیں جو مخصوص حالات کے لیے ثابت ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ فقہاء نے جس روایت کی بنا پر شادی شدہ زانی کے لیے سورۃ النور کی آیت نمبر ۲ کو منسوخ قرار دیا ہے:

> ''وہ عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس وقت تک جو کچھ بتا رہا ہوں اس کو میری طرف سے محفوظ کرو زانیہ عورتوں کے باب میں اللہ نے جو حکم نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا وہ نازل فرمادیا پس اگر مرتکب زنا دونوں کنوارے ہوں کنوارے ہوں تو ان کے لیے سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہے۔ اور اگر دونوں شادی شدہ ہوں تو کوڑے اور رجم کی سزا ہے۔''

مزید آگے لکھتے ہیں:

> ''اس روایت پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس میں کنوارے زانی کے لیے ایک ہی ساتھ کوڑے مارنے کی سزا کا حکم بھی ہے اور ایک سال کی جلاوطنی کا بھی ہے۔ اسی طرح شادی شدہ کے لیے ایک ہی ساتھ کوڑے کی سزا بھی مذکور ہوئی ہے اور رجم کی سزا بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں سزائیں ساتھ ہی دی جائیں گی؟ اس کا جواب ہمارے فقہاء حنفی اور شافعی دونوں یہ دیتے ہیں کہ جلد اور رجم دونوں سزائیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں اور حدیث میں کوڑے مارنے کی جو سزا مذکور ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے تعامل سے منسوخ ہو گئی شادی شدہ کے لیے صرف رجم کی سزا ہے۔ غور کیجئے عبادہ بن صامتؓ کی یہی روایت ہے جس کے بل پر سورہ نور کی آیت کو منسوخ ٹھہرایا گیا حالانکہ قرآن کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی پھر جب حدیث سے بھی بات نہیں بنی تو اس کو دوسرے روایات سے منسوخ کر دیا گیا۔''[25]

اس حوالے سے، اصلاحی صاحب اس بات کو ضروری سمجھتے تھے کہ اگر کسی حدیث کا حکم قرآن کے واضح حکم کے خلاف ہو، تو اسے اس طور پر سمجھا جائے کہ وہ حدیث کسی مخصوص سماجی اور تاریخی پس منظر میں دی گئی ہو، اور اس پر اجتہاد کے ذریعے غور کرنا چاہیے۔

قذف

قذف کی بابت غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ اِس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص کسی شریف اور پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگائے۔ دوسری یہ کہ اِس طرح کا معاملہ کسی میاں اور بیوی کے درمیان پیش آجائے۔ پہلی صورت میں اُس شخص کو ہر حال میں چار عینی گواہ پیش کرنا ہوں گے۔ وہ اِس سے قاصر رہے تو اُسے قذف کا مجرم قرار دیا جائے گا جس کی سزا یہ ہے کہ اُسے اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اُس کی گواہی پھر کسی معاملے میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ اِس جرم کے مرتکبین اللہ تعالیٰ کے حضور میں فاسق قرار پائیں گے، الاّ یہ کہ اپنے جرم سے توبہ کریں اور آیندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لیں۔ دوسری صورت میں شہادت نہ ہو تو معاملے کا فیصلہ قسم سے ہو گا۔ اِس کی صورت یہ ہو گی کہ میاں چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ جو الزام لگا رہا ہے، اُس میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ وہ اگر

اِس الزام میں جھوٹا ہے تو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔ اِس کے جواب میں عورت اگر اِس قسم کی کوئی مدافعت نہ کرے تو اُس پر زنا کی وہی سزا جاری ہو جائے گی جو شریعت میں اُس کے لیے مقرر ہے۔ لیکن وہ اگر اِس الزام کو تسلیم نہیں کرتی تو صرف اُس صورت میں سزا سے بری قرار پائے گی جب چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو، اگر یہ شخص سچ کہہ رہا ہے۔ یہی معاملہ اُس وقت ہو گا جب بیوی نے میاں پر الزام لگایا ہو۔

شراب خوری

غلام احمد پرویز اور غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ شراب نوشی، ارتداد اور توہین رسالت کی سزا بھی شریعت میں اِسی طریقے (مقرر کردہ حدود) سے مقرر کر دی گئی ہے۔ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ اِن جرائم کے لیے شریعت میں ہرگز کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ یہ سراسر اجتہادی معاملات ہیں اور اِن کے بارے میں جو رائے بھی قائم کی جائے گی، اِسی بنیاد پر کی جائے گی۔

خلاصۂ بحث

اسلام میں سزاؤں کا تصور ایک اہم اور پیچیدہ موضوع ہے جس پر مختلف ادوار میں متنوع نقطہ نظر پیش کیے گئے ہیں۔ یہ مقالہ اسلام میں سزاؤں کے نظام کا ایک جامع اور تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے، جس میں روایتی اور جدید تفسیری لٹریچر کے درمیان سزاؤں کے تصور کا گہرائی سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ تحقیق کے لیے دو معروف روایتی تفاسیر، تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع عثمانی اور تفسیر تفہیم القرآن از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، کو منتخب کیا گیا ہے، جن میں روایتی مفسرین کے نقطہ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔ دوسری جانب، جدت پسند مفسرین کی تفاسیر میں سے ان چار یعنی مطالب الفرقان از غلام احمد پرویز، تفسیر القرآن از سر سید احمد خان، البیان از جاوید احمد غامدی اور تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی کا انتخاب کیا گیا ہے۔ روایتی مفسرین سزاؤں کے فلسفے کو احادیث اور روایات صحابہؓ کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ ان تفاسیر میں سزاؤں کے نفاذ کے لیے مخصوص حالات اور شرائط کو واضح کیا گیا ہے، جن کے ذریعے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سزائیں کس طرح اور کن حالات میں نافذ کی جانی چاہئیں۔ روایتی مفسرین کے مطابق، سزائیں اللہ کے احکامات کی عکاس ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔ سزاؤں کا مقصد اللہ کی حدود کو قائم کرنا اور معاشرے میں عدل و انصاف کو برقرار رکھنا ہے۔ ان تفاسیر کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بعض مستشرقین (Orientalists) کی طرف سے اسلام کے نظام سزاؤں پر لگائے گئے اعتراضات بے بنیاد ہیں، کیونکہ روایتی تفاسیر میں سزاؤں کے نفاذ کے لیے واضح شرائط اور ضوابط بیان کیے گئے ہیں، جو اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ سزائیں صرف شریعت کی بیان کردہ کڑی شرائط پہ پورا اترنے کی صورت میں ہی نافذ کی جائیں۔ دوسری طرف، جدید مفسرین سزاؤں کے نظام کو زیادہ لچک دار اور معاشرتی ضروریات کے مطابق قابل تطبیق سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن کی ان آیات میں جو سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ آیات اپنے معانی میں کافی وسعت رکھتی ہیں، جو معاشرتی، ثقافتی اور زمانی حالات کے مطابق بدل سکتی ہے۔ جیسا کہ غلام احمد پرویز صاحب اور سر سید احمد خان نے سزاؤں کے معاملے میں زیادہ ظاہری معانی اور مفاہیم کی طرف توجہ دی ہے۔ ان حضرات نے اسلام میں سزاؤں کو مخصوص تاریخی و جغرافیائی حالات سے جوڑا اور ان کے مطابق بعض سزاؤں کا نفاذ موجودہ دور میں

ممکن نہیں رہا۔ ان کا ماننا ہے کہ قرآن اور حدیث میں دی گئی سزائیں اُس دور کی مخصوص ضروریات اور حالات کے مطابق تھیں، اور جدید دنیا میں ان سزاؤں کی نوعیت اور ضرورت میں تبدیلی آچکی ہے۔ جہاں ایک طرف غامدی صاحب نے اپنے فکری سفر میں ان سزاؤں کو محض علامتی یا وقتی سمجھا تو دوسری جانب اصلاحی صاحب کا ماننا ہے کہ سزاؤں کو زیادہ نرم یا ان کے نفاذ کے طریقے کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

اس تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں سزاؤں کے نظام کے بارے میں روایتی اور جدید تفاسیر میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ روایتی مفسرین سزاؤں کو ایک اصولی نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو کسی بھی حالات یا فرد کی نوعیت کے مطابق تبدیل نہیں ہو سکتا۔ ان کے مطابق سزاؤں کا نفاذ صرف ایک دینی فریضہ نہیں بلکہ معاشرتی نظم کو برقرار رکھنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس کے برعکس، جدید مفسرین سزاؤں کے نزدیک قرآن کی آیات میں سزاؤں کا مفہوم وسیع اور متغیر ہے، جسے مختلف سماجی، ثقافتی اور قانونی پس منظر میں بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

مراجع

[1] سورۃ المائدۃ 33:5

[2] محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن (مکتبہ معارف القرآن: شمس پرنٹنگ پریس کراچی، ۲۰۰۸ء/۱۴۲۹ھ)، ۳:۱۹۹

[3] شفیع، معارف القرآن، ۳:۱۲۱

[4] ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (ادارہ ترجمان القرآن لاہور، سن ندارد)، ۲:۴۶۵

[5] سورۃ المائدۃ 38:5

[6] سورۃ المائدۃ 39:5

[7] الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي، المسند، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، لبنان، ۱۴۰۰ھ)، ۱:۳۳۴

[8] أبو بکر بن أبي شیبۃ، عبد اللہ بن محمد بن إبراھیم بن عثمان بن خواستي العبسي، الکتاب المصنف في الأحادیث والآثار، (الریاض: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ)، رقم الحدیث: ۲۸۱۱۴

[9] سورۃ النساء 15:4

[10] سورۃ النور 2:24

[11] مودودی، تفہیم القرآن، ۳:۳۳۸

[12] محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ البخاري الجعفي، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ، (بیروت: دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ)، رقم الحدیث: ۲۷۲۴

[13] تاریخ استفادہ: ۰۲، ۱۱، ۲۰۲۴ء

https://www.banuri.edu.pk/readquestion/mohsin-or-ghair-mohsin-mai-farq-144201201150/12-09-2020

[14] أبو یعلی أحمد بن علي بن المثنی بن یحیی بن عیسی بن ھلال التمیمي، مسند أبي یعلی، (دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ)، رقم الحدیث: ۲۴۲۴

[15] أحمد بن الحسین بن علي بن موسی الخُسرَوْجِردي الخراساني أبو بکر البیھقي، السنن الصغیر للبیھقي، (جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، کراتشي-باکستان، ۱۴۱۰ھ)، رقم الحدیث: ۲۵۳۷

[16] سورۃ النور 4:24

[17] سورة المائدة 90:5

[18] أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصری، مسند أبي داود الطيالسي، (دار هجر مصر، ١٩٩٩ھ)، رقم الحديث: ۴۹۹

[19] مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحي المدني، موطأ الإمام مالک، (بيروت: دار إحياء التراث العربي لبنان، ١٤٠٦ھ)، رقم الحديث: ٩

[20] أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي، السنن الكبرى، (بيروت: دار الكتب العلمية لبنان، ١٤٢٤ھ)، رقم الحديث: ١٧٥٣٦

[21] غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان (طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، ۲۰۰۵ء)، ۴:۵۰۵

[22] سر سید احمد خان، تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان، (رفاہ عامہ ٹیم پریس لاہور، سن ندارد)، ۲:۱۳۵

[23] پرویز، مطالب الفرقان، ۴:۵۰۵

[24] پرویز، مطالب الفرقان، 508:4

[25] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، (فاران فاونڈیشن لاہور، ۲۰۰۹ء)، ۵:۳۶۶